رسائل و مسائل

بلامتن ترجمہ قرآن کی اشاعت

گذشتہ دنوں بلامتن قرآن مجید کا ترجمہ نظر پڑا۔ میرے علم میں تو یہی ہے کہ علما اس طرح ترجمہ کی اشاعت کو منع کرتے ہیں۔ براہ کرم آپ ازروئے شریعت واضح فرمائیں کہ ایسا کرنا کہاں تک صحیح ہے؟

یہ بات معلوم ہے کہ ترجمہ قرآن بلامتن کی اشاعت کا مسئلہ خالص اجتہادی مسئلہ ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویؐ دونوں اس کے جواز و عدم جواز سے ساکت ہیں۔ اگر ان دونوں میں کسی ایک پہلو کی وضاحت ہوتی تو یہ مسئلہ سوال سے پہلے ہی حل ہو تا۔ اس کے علاوہ جہاں تک میرا مطالعہ ہے جلیل القدر فقہائے امت کی کتابیں بھی اس بحث سے خالی ہیں۔ اب اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ اس مسئلے پر ایک اصولی نظر ڈال کر جواب حاصل کیا جائے۔

اصولاً یہ بات مسلم ہے کہ قرآن کی ہدایات و تعلیمات اور اوامر و نواہی اور احکام و قوانین کی واقفیت خود مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہے اور انھیں غیر مسلموں تک پہنچانا بھی امت مسلمہ کا فریضہ ہے۔ اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد دو سوال سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ تمام دنیا کے وہ مسلمان جو عربی زبان سے نابلد ہیں مضامین قرآن سے کس طرح واقفیت حاصل کریں؟ اس کی تین صورتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ تمام مسلمانوں پر عربی زبان کی تحصیل لازم قرار دی جائے۔

۲۔ ان کے لیے صرف الفاظ قرآن کی تلاوت کافی سمجھی جائے اور اس کے احکام ہر ملک کی اپنی زبان میں قرآن سے الگ فقہی یا غیر فقہی کتابوں کے ذریعے بتائے اور پڑھائے جائیں۔

۳۔ قرآن مجید کا ہر ملک کی زبان میں حامل المتن ترجمہ کیا جائے اور جہاں جہاں ضرورت ہو، تشریح و تفسیر کر دی جائے تاکہ قرآن کی تلاوت کرنے والا غیر عربی داں مسلمان، الفاظ قرآن کے ساتھ ہی اس کے معنی و مطلب سے بھی ایک حد تک واقف ہو جائے۔

پہلی صورت کے لزوم و وجوب کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ دوسری صورت میں غیر عربی داں مسلمان قرآن کے معنی و مطلب سے محروم رہ جاتے ہیں اور قرآن سے ان کے گہرے ربط و تعلق میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے علمائے امت نے تیسری ہی صورت اختیار فرمائی۔ اب اس زمانے میں تو قرآن کے

حامل المتن ترجمے کے عدم جواز کے بارے میں کسی مسلمان کو شاید کوئی شک بھی نہیں گزرتا لیکن کم سے کم ہندستان میں جب قرآن کا سب سے پہلا ترجمہ فارسی زبان میں کیا گیا تو اس وقت اس کے خلاف عوام و خواص نے سخت احتجاج کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان میں سبھی غیر مخلص اور شرپسند نہ ہوں گے بلکہ بہت سے لوگوں نے اخلاص کے ساتھ اور متوقع خطرات کے پیش نظر ہی اس کی مخالفت کی ہوگی لیکن اس مخالفت کے پیچھے نہ عقلی دلیل تھی نہ نقلی اور متوقع خطرات بھی قابل اعتنا نہ تھے۔ اس لیے وہ ترجمہ مقبول ہوا اور آیندہ بہت سے تراجم کا سنگ میل ثابت ہوا۔

دوسرا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ دنیا کے غیر عربی داں غیر مسلموں میں کس طرح قرآن سے دلچسپی پیدا کی جائے جو دین اسلام کا سب سے اعلیٰ ماخذ ہے۔ مسلمانوں کے تعلق سے اوپر جو تین صورتیں پیش کی گئی ہیں ان میں سے پہلی دو صورتیں یہاں اور زیادہ نامناسب ہیں۔ پہلی صورت یوں صحیح نہیں کہ جب مسلمانوں پر عربی کی تعلیم واجب قرار نہیں دی جا سکتی تو غیر مسلموں پر بدرجہ اولیٰ واجب نہ ہوگی۔ دوسری صورت میں یوں مناسب نہیں کہ حصول اجر و برکت کے لیے الفاظ قرآن کی تلاوت غیر مسلموں کے لیے بے معنی ہے۔ تیسری صورت یعنی متن کے ساتھ ترجمہ قرآن کی اشاعت' البتہ قابل غور ہے۔

جہاں تک میں نے غور کیا ہے غیر مسلموں کے لیے ترجمے کے ساتھ متن قرآن کی اشاعت ضروری نہیں معلوم ہوتی۔ یہ رائے میں نے متعدد وجوہ سے قائم کی ہے۔

(۱) مروجہ حامل المتن تراجم قرآن کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے حامل المتن ترجمہ قرآن شائع کیا' ان کے سامنے اصلاً" صرف وہ مسلمان تھے جو تلاوت قرآن تو کرتے تھے لیکن یہ بالکل نہیں جانتے تھے کہ اس کتاب میں کیا کہا گیا ہے۔ وہ قرآن کے معنی و مطلب سے ناآشنا ہوتے تھے اور صرف حصول اجر و برکت کے لیے تلاوت کرتے تھے۔ انھیں اس کتاب الٰہی سے آشنا کرنے کے لیے آیات قرآنی کے بین السطور میں ترجمے شائع کیے گئے تاکہ ایک طرف وہ تلاوت قرآن کے عظیم اجر و برکت سے مستفید ہوں اور دوسری طرف قرآن کے معانی و مطالب سے بھی ایک حد تک واقف ہوں اور ناآشنائے محض نہ رہ جائیں۔ بین السطور ترجمے کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ عربی زبان سیکھنے والے طلبہ الفاظ قرآن کے لفظی ترجمے پڑھ کر عربی کی استعداد بھی بڑھالیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمہما اللہ کے تقریباً لفظی ترجمے پڑھ کر کچھ اسی طرح کا تاثر ذہن میں قائم ہوتا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اصلاً" غیر مسلموں کو سامنے رکھ کر حامل المتن ترجمے شائع نہیں کیے تھے کیونکہ جو لوگ الفاظ قرآن پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے' ان کے لیے متن قرآن کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اگر کسی درجے میں بھی ایسے لوگ سامنے ہوتے جو قرآن پڑھنا نہیں جانتے تو بین السطور ترجمے کی کوئی تک سمجھ میں نہیں

آتی۔ اس لیے غیر مسلموں کو قرآن سے آشنا کرنے کے لیے اس صورت پر اصرار کرنا جو قرآن خواں مسلمانوں کے لیے اختیار کی گئی تھی، مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

(۲) جس طرح حامل المتن تراجم قرآن کے عدم جواز پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے اسی طرح بلامتن ترجمہ قرآن کی اشاعت کو ناجائز کہنے کے لیے کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔

(۳) ترجمے کے ساتھ پورا متن قرآن غیر مسلموں کے ہاتھوں میں دینا احترام قرآن کے پہلو سے بھی نامناسب ہے بلکہ ایک حدیث سے مستنبط ہوتا ہے کہ غیر مسلمانوں کے ہاتھ قرآن فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ بات بہتوں کو عجیب معلوم ہو اس لیے وہ حدیث نقل کرتا ہوں: "حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ قرآن ساتھ لے کر دشمن کے ملک میں سفر کیا جائے اس خوف سے کہ کہیں دشمن اسے چھین نہ لے"۔ (متفق علیہ)

محدثین نے تصریح کی ہے کہ اس ممانعت کی علت قرآن کی بے حرمتی کا خوف ہے۔ اگر یہ خوف نہ ہو تو دشمن ملک میں بھی قرآن ساتھ لے کر سفر کیا جا سکتا ہے۔ اسی حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا ہے کہ غیر مسلموں کے ہاتھ قرآن نہ فروخت کیا جائے۔ چنانچہ اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ کافر کو قرآن کی فروخت ممنوع ہے کیونکہ یہاں بھی مذکورہ علت موجود ہے۔ اس صورت میں بھی کافر کو بے حرمتی کرنے پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس بیع و فروخت کے حرام ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ ہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر ایسا ہو تو بیع واقع ہو گی یا نہیں اور قرآن سے کافر کی ملکیت دور کرنے کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟" (فتح الباری ج ۶، ص ۸۲)

اس فقہی حکم کی موجودگی میں غیر مسلموں کے لیے ترجمے کے ساتھ پورا متن قرآن شائع کرنا کس طرح مناسب قرار دیا جائے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کو قرآن دیا جا سکتا ہے اور دلیل میں اس فرمان نبویؐ کو پیش کرتے ہیں جو آپ نے ہرقل کو بھیجا تھا کیونکہ اس میں قرآن کی آیت بھی درج تھی۔ شاید ایسے لوگوں کی نگاہوں سے مذکورہ بالا حدیث اوجھل ہو جاتی ہے اور وہ اس فرق کو بھی محسوس نہیں کرتے جو پورے قرآن اور کسی خط میں دو ایک آیتوں کے حوالے میں ہے۔ فقہاے امت نے اس فرق کو محسوس کیا ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں: "اور علما کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر مسلموں کو ایسا خط لکھنا جائز ہے جس میں قرآن کی ایک یا چند آیتیں درج ہوں اور اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپؐ نے ہرقل کو بھیجا تھا"۔ (شرح مسلم)

اس کے علاوہ عام طور پر کسی غیر مسلم کو قرآن دینے اور سفارتی سطح پر کسی غیر مسلم حکومت کو قرآن یا قرآن کی بعض آیتیں بھیجنے میں بڑا فرق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فرمان سے استدلال کیا جاتا ہے

اس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ ہرقل نے اس کی بڑی عزت کی تھی اور بڑے اعزاز کے ساتھ حضورؐ کا وہ فرمان بہت دنوں تک اس کے خزانے میں محفوظ رہا۔

اس بحث کے بعد اب میں ان لوگوں کے خیالات کا بھی جائزہ لینا چاہتا ہوں جو غیر مسلموں کے لیے بھی صرف ترجمے کی اشاعت کو ناجائز کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو سب سے بڑی دلیل دی جاتی ہے وہ یہ اندیشہ ہے کہ اگر بلامتن ترجمے رائج ہو گئے تو دیگر کتب سماوی کی طرح قرآن کا متن بھی نعوذ باللہ دنیا سے غائب ہو جائے گا اور صرف تراجم باقی رہ جائیں گے۔ قرآن کے بارے میں یہ اندیشہ میرے نزدیک وہم سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس اندیشے میں پہلی بات تو یہ نظرانداز ہو گئی ہے کہ صرف انگریزی یا صرف ہندی کے ترجمے اصلاً غیر مسلموں تک قرآن کی تعلیمات پہنچانے کے لیے شائع کیے جا رہے ہیں اس لیے مسلمانوں کے درمیان صرف تراجم کے رائج ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ دوسری بات جو پہلی بات سے زیادہ عجیب ہے وہ یہ کہ اس معاملے میں قرآن اور دیگر کتب سماوی کو ایک قرار دے لیا گیا ہے حالانکہ تمام انسان مل کر بھی قرآن کو دنیا سے غائب کرنا چاہیں تو ہرگز قادر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ قرآن کو قیامت تک دنیا میں باقی رکھنے بلکہ امت مسلمہ میں سے ایک ایسے گروہ کو باقی رکھنے کی ذمہ داری لی ہے جو خود قرآن پر عمل کرتا رہے گا، دنیا کو اس کی طرف دعوت دیتا رہے گا اور تمام معنوی تحریفات کو باطل کرتا رہے گا۔

پریس کی اس ترقی کے زمانے میں قرآن دنیا بھر میں کروڑوں کی تعداد میں شائع ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا، لاکھوں سینوں میں قرآن محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا۔ اس کے علاوہ دیگر سائنسی ذرائع اور وسائل ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو متن قرآن کی حفاظت کے لیے بھی استعمال کیے جا رہے ہیں اور کیے جائیں گے۔ یہاں اس بات کی طرف صرف اشارہ مقصود ہے۔ حفاظت قرآن کے تمام ذرائع و وسائل کی تفصیل مقصود نہیں ہے۔

دوسری دلیل جو دی جاتی ہے وہ یہ اندیشہ ہے کہ اگر متن سامنے نہ ہو تو تحریف معنوی کی بڑی گنجائش پیدا ہو جائے گی۔

یہ عجیب اندیشہ ہے جو فہم سے بالاتر ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا متن کی موجودگی میں تحریف معنوی نہیں کی جا سکتی اور کیا متن کے ساتھ ساتھ تحریف کی مثالیں آج بھی موجود نہیں ہیں؟ اس کے علاوہ متن کی موجودگی میں بھی غلط ترجموں کی گرفت تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عربی سے واقف ہوں اور اس زبان سے بھی جس میں ترجمہ کیا گیا ہے اور یہاں ترجمہ بلامتن کی اشاعت ان لوگوں کے لیے ہے جو عربی سے تو کیا واقف ہوں گے، قرآن پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ایسے لوگوں کے لیے متن کی موجودگی، تحریف معنوی سے رکاوٹ کس

طرح بن جائے گی؟ اس سے بچنے کی صورت یہ نہیں ہے کہ متن بھی لازماً شائع کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ خدا کا خوف رکھنے والے لوگ پوری احتیاط اور جانچ پڑتال کے بعد تراجم شائع کریں۔

ایک اندیشہ یہ ہے کہ صرف ترجمے کی اشاعت سے الفاظ قرآن سے بے توجہی پیدا ہو گی اور اس کی اہمیت کم ہو جائے گی۔ یہ اندیشہ بھی صحیح نہیں ہے۔ جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے امید یہ ہے کہ وہ ترجمہ پڑھ کر اصل قرآن کی طرف متوجہ ہوں گے اور اس کی اہمیت ان کے دلوں میں قائم ہو گی۔ آج ان کے دل اس کی اہمیت سے اس لیے خالی ہیں کہ وہ نہیں جانتے کہ قرآن میں کیا ہے، جب انھیں معلوم ہو گا کہ اس کتاب میں ایسے حقائق بھرے ہوئے ہیں جن کی انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہے تو فطری طور پر وہ قرآن کی عظمت و اہمیت کے قائل ہو جائیں گے۔ باقی رہے وہ مسلمان جو قرآن پڑھنا نہیں جانتے تو انھیں بھی ترجمہ پڑھ کر قرآن کی طرف توجہ ہو گی اور اس کے الفاظ سیکھنے اور پڑھنے کا شوق پیدا ہو گا۔ غرض یہ ہے کہ محض کسی ایسی کتاب سے جس میں قرآن کا متن بھی ہو اور ترجمہ بھی، الفاظ قرآن کی اہمیت پیدا نہیں ہوتی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان اندیشوں میں سے کوئی اندیشہ ایسا نہیں ہے جو ترجمہ بلامتن کی عدم اشاعت کے لیے دلیل بن سکے۔ یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر میرے نزدیک خصوصیت کے ساتھ غیر مسلموں کی ضرورت و طلب کے پیش نظر ترجمہ بلامتن شائع کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے۔ (سید عروج احمد قادری)

رسول اللہؐ نے سفر میں سنتیں بھی پڑھی ہیں

سفر میں بعض لوگ منزل مقصود پر پہنچ جانے کے بعد بھی صرف فرض نمازیں ادا کرتے ہیں، فرض نمازوں سے پہلے یا اس کے بعد جو سنتیں ہیں وہ نہیں پڑھتے۔ ہم لوگ سنتیں بھی پڑھتے ہیں۔ ایک بار بعض ایسے لوگوں سے جو مسافرت میں سنتیں نہیں پڑھتے، پوچھا گیا کہ کیوں نہیں پڑھتے تو انھوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں سنتیں نہیں پڑھی ہیں۔ اگر واقعہ یہی ہے کہ آپؐ نے سفر میں سنتیں کبھی نہیں پڑھی ہیں تب تو ہم لوگوں کا عمل خلاف سنت ہے۔ مہربانی کر کے احادیث کے حوالوں کے ساتھ واضح کیجیے کہ واقعہ کیا ہے؟

احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافرت میں سنتیں بھی پڑھی ہیں۔ میں ذیل میں چند احادیث کے ترجمے پیش کرتا ہوں۔

(۱) "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری و مسلم اور نسائی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے سفر میں بھی فجر کی دو سنتیں کبھی ترک نہیں کی ہیں"۔

(۲) "حضرت عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضر و سفر دونوں میں نمازیں پڑھی ہیں تو میں نے آپؐ کے ساتھ حضر میں ظہر کے چار فرض کے بعد دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ اسی طرح سفر میں ظہر کے دو فرض کے بعد دو رکعتیں پڑھی ہیں اور عصر کی دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے اور کوئی نماز نہیں پڑھی اور آپؐ کے ساتھ مغرب کی نماز حضر و سفر دونوں میں تین رکعتیں پڑھی ہیں اور اس میں حضر و سفر میں کمی نہیں ہوتی اور یہ وتر النہار ہے اور فرض مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھی ہیں"۔ (ترمذی باب ماجاء فی التطوع فی السفر)

(۳) "عطاء سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ مکہ میں جمعہ کے فرض کے بعد اپنی جگہ سے ذرا اور آگے بڑھ کر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ پھر ذرا اور آگے بڑھ کر چار رکعتیں پڑھتے تھے اور جب وہ مدینے میں ہوتے تھے تو نماز جمعہ کے بعد اپنے گھر واپس آکر دو رکعتیں پڑھتے اور مسجد میں نہیں پڑھتے تھے۔ جب اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے"۔ (ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ)

(۴) "حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جب تطوع (فرض کے علاوہ کوئی دوسری نماز) کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی اونٹنی کے ساتھ قبلہ رو ہو کر تکبیر تحریمہ کہتے تھے پھر نماز پڑھتے تھے خواہ اونٹنی کا رخ اب کسی طرف ہو"۔ (ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ)

(۵) "حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ میں اٹھارہ سفروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد کی دو رکعتیں ترک کی ہوں"۔ (ترمذی، ابوداؤد)

ان احادیث میں فجر سے پہلے کی سنتوں اور نماز ظہر و مغرب کے بعد کی سنتوں اور ان کے علاوہ نماز جمعہ کے بعد کی سنتوں کی صراحت ہے۔ نماز ظہر سے پہلے اور نماز عشاء کے بعد کی سنتوں کی صراحت ابھی مجھے نہیں مل سکی ہے لیکن حضرت عائشہؓ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے کی چار رکعتوں اور اس کے بعد کی دو رکعتوں کو کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔ اگرچہ اس حدیث میں حالت سفر کی صراحت نہیں ہے لیکن اس کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ ہم حالت سفر کو مستثنیٰ کر دیں۔ جب حضورؐ زوال کے بعد کی دو رکعتیں سفر میں بھی ترک نہیں فرماتے تھے جیسا کہ اوپر حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث میں گزر چکا تو قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ آپؐ ظہر سے پہلے کی سنتوں کو بھی ترک نہ فرماتے ہوں گے۔ اسی طرح آپ کے معمولات سفر کو دیکھتے ہوئے اس کی بھی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ عشاء کے بعد کی

سنتوں کو سفر میں ترک کر دیتے ہوں گے۔ جس ذات گرامی کا حال یہ ہو کہ اثنائے سفر میں اونٹنی کی پیٹھ پر بھی نمازوں میں مشغول رہتی ہو، وہ منزل مقصود پر پہنچ کر سنن موکدہ کس طرح ترک کر دے گی۔ بہرحال اوپر جن احادیث کے ترجمے پیش کیے گئے ہیں ان سے بغیر کسی اشتباہ کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی سنتیں پڑھتے تھے۔

آپ کا جواب ختم ہوا لیکن اخیر میں اس کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں سنتیں نہیں پڑھی ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا ہے۔ آپ صرف فرض ادا فرماتے تھے۔ فرض سے پہلے اور اس کے بعد کی سنتیں نہیں پڑھتے تھے اور یہی عمل ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنھم کا بھی تھا۔ ان کی اس حدیث سے بعض لوگوں نے غلط طور پر یہ سمجھ لیا کہ انھوں نے یہ بات مطلقاً کہی ہے۔ حالانکہ انھوں نے اثنائے سفر میں نماز کے بارے میں یہ بات کہی تھی۔ سفر کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی ابھی قطع مسافت کر رہا ہو اور منزل مقصود پر نہ پہنچا ہو اور دوسری یہ کہ جہاں جانا چاہتا تھا، وہاں پہنچ چکا ہو۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس حدیث میں جو بات کہی ہے اس کی مراد یہ ہے کہ اثنائے سفر میں جب کہ سفر جاری ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سنتیں نہیں پڑھتے تھے لیکن منزل مقصود پر پہنچ جانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں پڑھی ہیں اور حضرت ابن عمرؓ بھی پڑھتے تھے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ (ع-ا-ق)

ترجمان القرآن حاصل کرنے کے لیے

لاہور
قومی نیوز ایجنسی
اخبار مارکیٹ،
فون : 7249813

کراچی
بک ڈسٹری بیوٹرز
خداداد کالونی،
فون : 7787137